

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہم

منصوص اور غیر منصوص امور میں اختلافات

دین کیلئے کام کرنے والوں کو غلو اور نصاب سے بچانے کیلئے ایک اہم اصول

منصوص امور دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت و شکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت و شکل مطلوب ہے۔ اس کو ہم دو منصوص بالوضع کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہیئت و صورت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں مثلاً ارکان دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں اور خود کر کے بھی دکھلائیں، مثلاً نماز۔ حج۔ وضو وغیرہ۔

غیر منصوص دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفس شئی مطلوب ہے لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر اور زمانہ کے تغیر اور امت کے لیے وسعت اور سہولت کا خیال کر کے) آپ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں صرف شے بتلا دی کہ یہ مقصود ہے یہ چیزیں خود منصوص ہیں لیکن ان کی کوئی خاص وضع و ہیئت منصوص نہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا امت تک پہنچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے اگر امت ان کو چھوڑ دے اور بالکل کر دے تو وہ گنہگار ہوگی لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں، ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو ان کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

لباس غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس ساتر ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو۔ تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام و ناجائز مثلاً مردوں کے لیے ریشم نہ ہو پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرط بھی منصوص ہیں لیکن لباس کی شکل لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں، اسی میں امت کے لیے بہت سی سہولتیں ہیں اس کو امت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

مساجد دوسری مثال مساجد کی ہے، مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظامت بھی مطلوب ہے اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے بلند ہوں اور متنازع بھی ہوں مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں یہاں تک کہ مینار سے اور گنبد بھی مساجد کے لیے شرائط میں نہیں تھے۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے۔ الجزائر و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی پہلی مسجد ربیت اللہ کا کوئی مینار نہیں اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، اعلانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں، نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔

قل رب انی دعوت قومی لیلًا ونہارًا (حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی) ثغرانی دعوتہم جہارًا (پھر میں نے خوب پکار کر اور جمع کر بھی ان کو بلایا) ثغرانی اعلنت لہم واسررت اسرارًا (پھر میں نے بالا اعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی)۔

لہذا دعوت دین کا کام کرنے والے ہر فرد جماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لیے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی و جدوجہد کا جو طرز مناسب و مفید سمجھے وہ اختیار کرے اس میں کسی کو جائز و ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ جائے جو شرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لیے مضر ہو۔

غیر منصوص اور منصوص کو خلط ملط کرنے کے مضرات بعض عوامی حلقوں میں اس وقت دین کے ان دونوں حصوں کو خلط ملط کر دیا

ہے منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور غیر منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دھڑوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو سکتی ہے اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی، سینکڑوں تنازعوں کا سد باب ہو جائے گا۔ اور بہت سی ذہنی الجھتیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد صحیح

اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابلی، تصادم اور اختلاف کا کوئی بھی موقع باقی نہیں رہتا، فرق پورہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کہے کہ کام کی کون سی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہے اور کس سے وہ نتائج و مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں دعوت الی اللہ کی محض شکل اور طرز کی افادیت و تاثیر اپنے لیے پسند کو دوسروں پر نہ ٹھونسے

کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا، جیسے احکام تطہیر اور نصوص قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جہالت، اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے رہبر طہیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مشک اور طرز فکر کے مخالف نہ ہو تو وہ اپنے فیصلہ میں سخی بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرز کار کو اگر بہتر اور حیا و دین کے لیے زیادہ مفید سمجھتے ہیں تو یہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ ہم اپنے طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ پیش کر سکتے ہیں لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انہوں نے اپنے تجربہ و مطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور ان کی افادیت، واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے اور کتاب و سنت اور سیرت نبوی اور حکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لیے ان کے پاس شواہد و دلائل پائے جاتے ہیں تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی۔ ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کی تحقیر و تردید کرنا، ان کو غلط کار و گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمت دین اور دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنانے اور امور دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔ بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث و قرآن سے استنباط کیے جاسکتے ہیں۔ وہ اصولی طور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ملیں گے لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجربی ہیں، ان چیزوں پر ایمان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ کچھ برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔ اس وقت اگر ایک حادہ طبقہ اس کی مخالفت محض اس بنا پر کرے کہ ہمارے بزرگ اس طرح کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا۔ اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا۔ کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سوچنے اور سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز دین کی خدمت اور احیاء

کے لیے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لیے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے۔ جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا، یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے، اسی طرز فکر کے نتیجے میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے۔ اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک خور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے۔ پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہیے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا۔ اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لیے جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں، ایسے موقع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا، فقہ فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ۔

ع حفظ مراتب نہ کنی زندیقی۔

انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تربیت اور ان کی مساعی جلیل کے لیے (جن کی پشت پر تائید ربانی اور ارادہ الہی ہوتا ہے)

دعوت و تربیت کے حریف عناصر

جہاں مقرر اور ایک طرح سے حریف و رقیب کفر، الحاد و غفلت و مصیبت ہے جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت کے برکات اور ان کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتی ہے۔ ”بے روح رسمیت“ بھی ہے۔ اول الذکر طاقتیں بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں جو باہر سے ہوتا ہے تو یہ اندرونی بیماری ہے جو کھن طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی تعلیم و دعوت سے پیدا ہوتی ہے)، اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، اس کے نتیجے میں عقائد بے اثر اور اعمال، عبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں وہ رسم کی طرح ادا کیے جاتے ہیں ان میں نفسی ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان کی کیمیا اثری انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے یا بہت کمزور ہو جاتی ہے، یہ عموماً ”نتیجہ ہوتا ہے مؤثر و صحیح دعوت قدرت کے فقدان یا الفاظ کا، یا مؤثر اصلاحی و تربیتی تفصیلات سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں میں صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت کر کے ایمان یا تحریک پیدا ہوتی ہے، دلوں کے دور ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور اشارہ و قربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اسی وقت کوئی ایسی دعوت و تحریک رالمام ربانی اور انتظام خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے (ساتھ آتی ہے جو اس ”رسمیت“ پر ضرب لگاتی ہے، دلوں کا رنگ دور کرتی ہے امت کی صورت سے حقیقت اور ”رسمیت“ سے ایمان و اعتقاد کی کیفیت کی طرف لاتی ہے، اسلام میں تجدید و اصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے

کہ ان کا نشانہ ہی ”درسمیت“ تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے اور دیکھ کی طرح اس کے سر
سبز و شاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے اور امت بعض اوقات
واذا رايتہم تعجبک اجسامہم وان یقولوا لسمع لقولہم کانہم خشب مسندہ
(اور جب تم ان کے (مناسب) اعضاء کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے
ہیں اور وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر پر غور اور توجہ سے سنتے ہو مگر فرم وادراک سے
خالی (گویا مکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں)۔

کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہے وہ ہدایت خداوندی اور کتاب و سنت کے عمیق و غلمانہ مطالعہ کے اثر
سے کوئی ایسی دعوت یا طریق کار پیش کرتے ہیں جس سے اس ”درسمیت“ کا پنجہ ڈھیلا ہو جاتا ہے۔ جسم امت
میں ایک نئی روح ایک نئی ایمانی کیفیت، رضا الہی کے حصول کا ایک زندہ و تابندہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، اس
کی قوت عمل بڑھ جاتی ہے۔ اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہوتی ہے اور بعض اوقات قرون اولیٰ کی
یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں۔ اور ایمان کی روح پروردگار بھاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔
تاریخ دعوت و اصلاح کا واقعاتی المیہ | لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح و دعوت کا واقعہ و المیہ ہے
اور فطرت انسانی کی کارفرمائی کہ خود اس اصلاح و

دعوت اور اس طریق کار میں مرور زمانہ سے ”درسمیت“ بے پاؤں داخل ہو جاتی ہے اور جو خیر رسم کو مثالانہ
دل و دماغ کو چمکانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح اندرونی جذبہ اور تازگی کو ہوتی ہے اور ایک ”درسم“ منابطہ
اور ROUTINE بن کر رہ جاتی ہے اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقتور شخصیت کی ضرورت پیش
آتی ہے جو اس خواب آلودہ اور گیر کے فقیر نظام اور طریق کار کی اصلاح کر دے اور اس میں جو بدعات مفاسد غلو اور
جو پدیدا ہو گیا ہے اس کو توڑے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب و سنت سے مانوذا اور اصول و
مقاصد کے مطابق ہو، معاشرہ کی ”درسمیت“ کو دور کرے اور ایمان و ایثار اور قوت عمل پیدا کرے۔

اسی صورت حال کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس
سے بڑا سبق حاصل کیا جاسکتا ہے۔

راقم السطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ
میں جلد جلد دیکھ لگ جاتی تھی، اور قیمتی کتابیں تلف ہو جاتی تھیں وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں،
ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیکھ نہیں لگے گی۔
انہوں نے بڑی شکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے

ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی بڑی میں خود دیک گئی ہے۔

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد اور ایک مصلح ہوتا ہے نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کے بغیر

نجات ہی نہیں ہو سکتی ہے اور اس کی ہدایت حاصل کیے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اس میں کسی قسم کی ممانعت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ ہے۔ ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے۔ مثلاً کسی مجدد کے طریقے سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے اور ایک دوسرے مجدد کے طریقے سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لہذا اس کے اثر سے انفاق و ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔

ایک تیسرے مجدد کے طریقے سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی کے معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلقی وابستگی خاص طور سے اس میں موثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقے کار پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقے پر چلنا لازم لیکن مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں لیکن نجات پر منحصر نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ بھی جاننی چاہیے کہ امت میں اختلافات اور ہمہ جہتی اصلاح کا ادعا

اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت و تحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کر سکتی ہے ان کی استعداد کے مطابق دینی غلاف فراہم کر سکتی ہے کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعے سے متاثر کیا جاسکتا ہے اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول اور ہر حالت میں کامیابی اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں۔ بہت سے قابل قدر ہیں اور بڑے غلط ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مقصود طرز پر کام نہ کرے جس کو اس نے اختیار کیا ہے حالانکہ عمومی اصلاحی و انقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے ہر شخص سے وہی کام یا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے زیادہ ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پورا انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ